کچھ یادیں کچھ باتیں

حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی رحمہ اللہ

کیا کیا حسین صبح، حسیں شام آئے گی
لیکن ہماری یاد، بھلائی نہ جائے گی

بہت سے احساسات وجذبات ایسے ہوتے ہیں، جن کی صحیح تعبیر کے لئے انسان تمام وسائل کے با وجود، صحیح الفاظ ڈھونڈ ھنے میں نا کام رہتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ الفاظ کے سارے خزانے میں، ان کی ترجمانی کے لئے کوئی موزوں لفظ نہیں، مولانا یوسف صاحب کاوی کی وفات سے کچھ اسی طرح کے احساسات سے دوچار ہوں۔

۲/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱/جنوری ۲۰۱۷ء بروزِ یکشنبہ تقریباً صبح ساڑھے چار بجے حضرتِ کاوی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، ادھر ۲۰۱۷ء کا سورج روشن ہونے ہی والا تھا کہ اس سے قبل ہی علمِ حدیث کا ٹمٹما تا سورج غروب ہو گیا۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْن. واقعی اس خبر کو سن کر جو صدمہ ہوا، اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا بہت مشکل ہے، حضرت کی وفات سے ڈابھیل کا ہر بچہ و بوڑھا واقعی غم زدہ نظر آیا، جامعہ کی پوری فضا خاصی سوگوار نظر آئی۔

مثالی سراپا:

ایسے بڑے اور ممتاز عالمِ باکمال کے انتقالِ پر ملال کی خبر سن کر دل و دماغ پر عجیب سی کیفیت چھا گئی۔ دماغ کی اسکرین پر ان کی منفرد شبیہ گردش کرنے لگی، ایک خوبصورت یادوں کا نقشہ ابھرنے لگا، اور خیال وفکر پر اس طرح چھا گیا کہ میں صرف اسی پر غور کرنے لگا: نورانی چہرہ، کھڑی ناک، گھنیریں بھنویں، متوسط القامت، گھنیری دراز داڑھی، سر پر دو پلی ٹوپی، ان کی ممتاز شخصیت، ان کی سادگی، بے

ساختہ گفتگو، لائقِ ذکر ذہانت، قوتِ حافظہ، لباس میں سادگی، تراش خراش سے بے نیازی، صاف شفاف گفتگو، ان کی پیاری آواز میں بے پناہ اپنائیت کا رویہ، یہ سب دماغ کی اسکرین پر یک لخت گذر گیا، ہاتھ میں عصا لئے ہوئے دار السنہ کی سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں، کوئی خادم جوتے پہنا رہا ہے، کوئی لفٹ میں لے جا رہا ہے، آپ کسی بڑی درس گاہ میں علمی گوہر بکھیر رہے ہیں، کرسی پر جلوہ افروز ہیں، ٹیبل پر رنگ برنگی عطر کی شیشیاں ہیں (آپ خوشبو بہت پسند فرماتے تھے)، آپ اپنے مخصوص انداز میں عطر لگا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس طرح سامنے آ گیا جیسے کل ہی کی بات ہو، ہائے۔۔۔ کیسا دیا بجھ گیا۔۔۔ اللہ نے جتنی زندگی مقدر کر رکھی تھی، اس سے ایک لمحہ بھی زیادہ وہ کیونکر جی سکتے تھے۔

ایک لمحے کی اجازت بھی نہیں ملنے والی
موت آتی ہے تو دستک بھی کہاں دیتی ہے

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہرِ مبیں نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
اگرچہ حالات کا سفینہ اسیرِ گرداب ہو چکا ہے
اگرچہ منجدھار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھو چکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شاہکار آخری نیند سو چکا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے؟

قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں کا زورِ بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

علمی سرگرمیاں:

آپ نے جامعہ ڈابھیل میں ۴۸ ؍سالہ طویل عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کا یہ علمی سفر ابتدائی کتب سے شروع ہوکر مسلم شریف پر ختم ہوا، اسباق کی پابندی بے مثال تھی، آپ فنون کی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے پڑھاتے، آپ کا اندازِ تدریس بالکل عام فہم اور سادہ ہوتا، آپ ترسیل کی ساحرانہ صلاحیت کے مالک تھے، عجیب وغریب کمال یہ تھا کہ مضمونِ فن کے ساتھ ساتھ کتابِ آبِ حیات بھی پڑھا دیتے تھے، طالبِ علم کو ان کے سبق سے متعلقہ علم وفن کی مہارت کے ساتھ ساتھ، زندگی کے ہمہ گیر اصول و آداب، کامیاب داعی کی صفات، نتیجہ خیز معلم کے کمالات، مؤمن صادق کی ذمہ داریوں اور با مقصد مسلمان کے عزائم کا نہ صرف علم ہوجاتا، بلکہ عملی تربیت بھی ہوجاتی تھی۔ آپ کا اعجاز در اعجاز یہ تھا کہ وہ اپنے سیکھے ہوئے سرمایے سے زیادہ اور بہت زیادہ بہت کم وقت میں بڑی سہولت کے ساتھ اپنے سے سیکھنے والوں کو سکھا دیتے تھے۔

بجھ گئے کتنے شبستان محبت کے چراغ
محفلیں کتنی ہوئیں شہر خموشاں ، کہئے
بچھڑا اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ، اِک شخص سارے ''ملک'' کو ویران کر گیا

اکابرین سے والہانہ تعلق:

آپ وقت کے بخاری و مسلم اور رازی وغزالی کے شاگرد تھے۔آپ حضرت شیخ زکریا صاحب کاندھلویؒ کے مشہور شاگردوں میں تھے،اور اپنے استاذ سے آپ کا عشق بے مثال ولا جواب تھا، جہاں حضرت کا تذکرہ آتا۔۔۔بس۔۔۔پھر تو پوچھنا ہی کیا،طلبہ اکابرین کی سوانح ،اورانمٹ نقوش کی یادوں میں ایسے محوسماع ہوتے کہ کأن الطیور علی رؤوسھم.نیز حضرت کا نرالا لہجہ طلبہ کے شوق سماع کو دو بالا کردیتا،اکابرین کے حالات وسوانح اور تاریخ کے موضوعات پر گویا ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ کوئی مؤرخ تاریخ بیان کررہا ہے،فنِ حدیث پڑھاتے وقت کسی بڑے محدث کی حیثیت سے نظر آتے، تاریخ وسیر کے موضوع پر آپ کا مطالعہ نہایت گہرا تھا،اور طلبہ کو وقتاً فوقتاً تاریخ وسیرت کے موضوع پر مطالعہ کی تاکید بھی فرماتے،آپ کا اس موضوع کے آغاز کے وقت ایک مخصوص انداز ہوتا:''ہمارے اکابرین علماءِ دیوبند۔۔۔ان کی خدمات عجیب وغریب۔۔۔حضرت شیخ زکریاؒ ،حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ'' ہائے۔۔۔ان کا'' رحمۃ اللہ علیہ'' بولنے ایک مخصوص لہجہ یاد آتا ہے،تو آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔

اب کہاں۔۔۔۔ملیں گی وہ گزشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سر بہ سر خوابِ پریشاں ہوگئیں

آپ بہتیرے اکابرین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے،ان کی صحبتوں سے فیض پایا تھا، ان کی عظمتوں کے مظاہر دیکھے تھے،ان کی قربانیوں کی یادیں اُن کے خانۂ خیال کا بہترین اثاثہ تھیں۔

علمی کمالات کے ساتھ ساتھ آپ عملی میدان کے بھی شہسوار تھے،عبادت وریاضت کے رسیا،لگتا تھا کہ واقعی اسی کے لئے مخلوق ہوئے ہیں،ذکر وشغل ،مسنون دعاؤں کا اہتمام آپ کا جزوِ لاینفک تھا،اتباع سنت آپ کا طرۂ امتیاز تھا،طلبہ سے بے انتہا حسنِ ظن رکھتے ،مودتِ مادری اور شفقتِ پدری

سے پیش آتے ، ہمیشہ ''آپ'' سے مخاطب فرماتے ،اُن پر دعاؤں کی پرچیاں بالتفصیل لکھ کر بھجواتے ، روزمرہ کے پیش آنے والے مسائل ،اپنی واہلِ خانہ کی بیماری سے شفاء یابی کے لئے ،اپنے اور اہلِ خانہ کے مختلف اسفار کی آسانیوں کی خاطر بھی طلبہ سے دعا کرواتے ۔

علمی و تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام سے خصوصی دلچسپی رکھتے ، اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ،اکابرین کی آمد پر ان کی ملاقات کا اہتمام رہا،ان کی مجالس میں شرکت آپ کا معمول رہا،آپ مدرسہ میں اس کے ذمہ دار بھی رہے،طلبہ مختلف کارگذاریاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بڑی رغبت سے سنتے ، حوصلہ افزائی فرماتے ،مفید مشورے عنایت فرماتے ،اپنی دعاؤں سے نوازتے ،کلاس میں ہفتہ واری ۲۴ ر گھنٹہ کی جماعت کے خروج کی ترغیب بھی دیتے ،سالانہ چلہ میں جانے والی جماعتوں کے درمیان روانگی کی بات اور دعاء شاندار انداز میں فرماتے ۔

آخری ملاقات :

حضرت والا سے بندہ کی آخری ملاقات حضرت مولانا سلیم صاحب لال رحمہ اللہ کی وفات کے روز ہی ہوئی تھی ، ہم کچھ رفقاء حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے ،خندہ روئی سے استقبال کیا،قرآن کریم پڑوس میں رکھا ہوا تھا،حسبِ معمول سارے حالات دریافت کئے ،رفقاء کے اہلِ خانہ کے احوال دریافت فرمائے ، کیسے تشریف آوری ہوئی ؟ جنازہ میں شرکت کے لئے ؟ اچھا کتنے آدمی تھے؟ کس قبرستان میں دفن کیا گیا؟ ۔۔۔نماز کہاں ہوئی ؟ کس نے پڑھائی ؟ چند سوالات کے بعد علمی فیضان جاری ہو گیا۔۔۔۔فرمایا: پہلے پورا قبرستان ایک تھا، بیچ میں سڑک نہیں تھی ، پہلے ڈابھیل میں بہت کم آبادی تھی ،سواریوں کا معقول نظام نہیں تھا،سب لوگ پیدل چلتے تھے،علامہ شبیر احمد صاحب ،حضرت کشمیری۔۔۔سب۔۔۔لوگ گھوڑوں پر سواریاں کرتے تھے ، پہلے یہاں گھوڑے بہت پالتے تھے ،

اسی لئے گاؤں میں ایک محلہ کا نام ہی گھوڑا محلہ ہے (یہاں ایک زبردست قہقہہ لگایا، جس کی ادا آج بھی نہیں بھلائی جاسکتی)، پہلی مرتبہ گھوڑا محلہ کی وجہِ تسمیہ معلوم ہوئی، پھر باتوں باتوں میں علماء دیوبند کی بات چل پڑی، پھر اخیر میں دعاؤں سے خوب نوازا۔ اور الوداع کیا۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ ملاقات زندگی کی آخری ملاقات بن جائے گی۔

خدا آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے، انوارات سے منور فرمائے، پسماندگان کو صبرجمیل، اجر جزیل عطا فرمائے، آپ کی جدائی کے اجر سے فیضیاب فرمائے، جامعہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور جامعہ کو ہر نوع کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ہوئی نہ عام، جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

موت اک زندگی کا وقفہ ہے ، یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ازقلم: محمد داود میمن (سورت)

۳/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ